© rasailojaraid.com

دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان۔ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اس کا خاتمہ

ڈاکٹر فضل الرحمن

انسان بجائے خود ایک عالم اصغر ہے۔ جس کے اندر بے شمار مختلف قوتیں اور قابلیتیں ہیں، خواہشات ہیں، جذبات، رجحانات ہیں، نفس اور جسم کے مختلف مطالبات ہیں، روح اور طبعیت کے مختلف تقاضے ہیں۔ افراد کے ملنے سے جو اجتماعی زندگی بنتی ہے وہ بھی بے حد وحساب پیچیدہ تعلقات سے مرکب ہوتی ہے اور تمدن وتہذیب کے نشو ونما کے ساتھ ساتھ اس کی پیچیدگیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پھر دنیا میں جو سامان زندگی انسان کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس سے کام لینے اور اس کو انسانی تمدن میں استعمال کرنے کا سوال بھی انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بکثرت شاخ در شاخ مسائل پیدا کرتا ہے۔

عرصۂ حیات کی اس پیچیدگی پر انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے بیک وقت ایک متوازن نظر نہیں ڈال سکتا۔ اس بنا پر انسان اپنے لیے زندگی کا کوئی راستہ بھی نہیں بنا سکتا جس میں اس کی ساری قوتوں کے ساتھ انصاف ہو، اس کی تمام تر خواہشات کا ٹھیک ٹھیک حق ادا ہو جائے، اس کے سارے جذبات و رجحانات میں توازن قائم رہے، اس کے سب بیرونی واندرونی تقاضے تناسب کے ساتھ پورے ہوں، اس کی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کی مناسب رعایت ملحوظ ہو اور ان سب کا ایک ہموار اور متناسب حل نکل آئے، اور مادی اشیاء کو بھی شخصی اور تمدنی زندگی میں عدل، انصاف اور حق شناسی کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہے۔ جب انسان خود اپنا رہنما اور شارع بنتا ہے تو حقیقت کے مختلف پہلوؤں میں سے کوئی ایک پہلو، زندگی کی ضرورتوں میں سے کوئی ایک ضرورت، حل طلب مسئلوں میں سے کوئی ایک مسئلہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے کہ دوسرے پہلوؤں، ضرورتوں اور مسئلوں کے ساتھ وہ بالا رادہ یا بلا ارادہ بے انصافی کرنا شروع کرتا ہے۔ اور اس کی اس رائے کے زبردستی نافذ کیئے جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ بے اعتدالی کی کسی ایک انتہا کی طرف ٹیڑھی چلنے لگتی ہے۔ پھر جب یہ ٹیڑھی چال اپنے آخری حدود پر پہنچتے انسان کے لیے نا قابل برداشت ہو جاتی ہے تو وہ پہلو، ضروریات اور مسائل جن کے ساتھ بے انصافی ہوئی تھی، بغاوت شروع کر دیتے ہیں اور زور لگانا شروع کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ انصاف ہو۔ مگر انصاف پھر بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر وہی عمل رونما ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک جو سابق بے اعتدالی کی بدولت سب سے زیادہ دبایا گیا تھا، انسانی دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مخصوص تقضاء کے مطابق ایک خاص رخ پر بہالے جاتا ہے جس میں پھر دوسرے پہلوؤں، ضرورتوں اور مسئلوں کے ساتھ بے انصافی ہونے لگتی ہے۔ اس طرح انسانی زندگی کو کبھی سیدھا چلنا نصیب نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہ ہچکولے ہی کھاتی رہتی ہے۔ اور تباہی کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف ڈھلکتی چلی جاتی ہے۔ تمام وہ راستے جو انسان نے اپنی زندگی کے لیے بنائے ہیں، خط منحنی کی شکل میں واقع ہیں، غلط سمت سے چلتے ہیں اور غلط سمت پر ختم ہو کر پھر کسی دوسری غلط سمت کی طرف مڑ جاتے ہیں۔

ان بہت سے راستوں کے درمیان ایک ایسی راہ جو بالکل وسط میں واقع ہو، جس میں انسان کی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ، اس کے جذبات ورجحانات کے ساتھ، اس کی روح اور جسم کے تمام مطالبات اور تقاضوں کے ساتھ، اس کی زندگی کے تمام مسائل کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا ہو، جس کے اندر کوئی ٹیڑھ کوئی کجی، کسی پہلو کی بے جارعایت اور کسی دوسرے پہلو کے ساتھ ظلم اور بے انصافی نہ ہو، انسانی زندگی کے صحیح ارتقاء اور اس کی کامیابی و بامرادی کے لیے سخت ضروری ہے۔ انسان کی عین فطرت اس راہ کی طالب ہے، اور مختلف ٹیڑھے راستوں سے بار بار بغاوت کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سیدھی شاہراہ کو ڈھونڈتی ہے مگر انسان خود اس شاہراہ کو معلوم کرنے پر قادر نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس کی طرف صرف خدا رہنمائی کر سکتا ہے اور خدا نے اپنے رسول اس لیے بھیجے ہیں کہ اس راہ راست کی طرف انسان کی راہنمائی کریں۔

قرآن اس راہ کو صراط مستقیم یا سواء السبیل کہتا ہے۔[1] یہ شاہراہ دنیا کی اس زندگی سے لے کر آخرت کی دوسری زندگی تک بے شمار ٹیڑھے راستوں کے درمیان سے سیدھی گزرتی چلی جاتی ہے۔ جو اس پر چلا، وہ یہاں راست رو اور آخرت میں کامیاب و بامراد ہے اور جس نے اس راہ کو گم کر دیا، وہ یہاں غلط بین، غلط رو اور غلط کار ہے اور آخر میں لامحالہ اسے دوزخ میں جانا ہے، کیونکہ زندگی کے تمام ٹیڑھے راستے دوزخ ہی کی طرف جاتے ہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے جرمن سکالر وولف گینگ ساش نے لکھا ''گذشتہ چالیس برس کو ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔۔۔ روشنی کا وہ مینار جو ملاحوں کو ساحل کا نشان منزل دیتا ہے۔ ''ترقی'' وہ تصور تھا جس نے ابھرنے والی اقوام کا جنگ کے بعد کا تاریخی سفر متعین کیا۔ جمہوریت ہو یا آمریت، جنوب کے ممالک نے نوآبادیاتی تسلط سے آزادی کے بعد ''ترقی'' کو اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا محور ٹھہرایا۔ چار عشروں کے بعد بھی دنیا کی کم و بیش تمام حکومتوں اور عوام کی نظریں اسی ''مینارۂ نور'' پر جمی ہوئی ہیں، حالانکہ وہ اب بھی ان کی پہنچ سے اتنا ہی دور ہے جتنا پہلے دن تھا۔ ہر چند کہ ترقی کے حصول کے لیے جتنی کوشش کی جائے، اور جو قربانی دی جائے اس کا جواز یقیناً موجود ہے لیکن نگاہیں جس کی روشنی پر مرکوز ہیں، وہ بتدریج اندھیرے میں گم ہوا چاہتی ہے۔۔۔ تب سے شمال اور جنوب کے تعلقات اسی پس منظر میں تشکیل پاتے رہے ہیں۔ ''ترقی'' نے اس حوالے سے وہ بنیادی سانچہ فراہم کیا جو دراصل فیاضی، رشوت اور استعماری غلبے کا مرکب ہے۔ یہی حدف ترقی یافتہ شمال کی، غیر ترقی یافتہ، جنوب کے لیے مرتب کردہ پالیسیوں کی پہچان ہے۔ آدھی صدی ہونے کو آ رہی ہے اور روئے زمین پر اچھی ہمسائیگی کو اسی ترقی کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہو رہی ہے''۔ لیکن یہ منظر اب تبدیل ہو رہا ہے۔ وولف گینگ ساش ہی کے بقول: ''آج اسی روشنی کے مینار میں دراڑیں پڑ گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور یہ دھڑام سے گرنے والا ہے۔ دانشوروں کے نزدیک یہ نام نہاد ترقی ایک ویرانہ ہے''۔ اور حقیقت میں اس دور کا اختتام قریب ہے اور اس کا مرثیہ لکھنے کا وقت آ گیا ہے۔[۲]

۱۱ ستمبر کے واقعات کا جو بھی ذمہ دار ہے (سارے خون خرابے کے باوجود دنیا ابھی تک شبہات کی دنیا سے باہر نہیں آ سکی) اس نے عالمی سطح پر ایسے حالات کو پیدا کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے جن کے نتیجے میں سیاست کا نقشہ بدل گیا ہے یا صحیح تر الفاظ میں جس طرف مقتدر قوتیں اسے لے جانا چاہتی تھیں۔ وہ ممکن ہو گیا ہے۔ تو کیا ۱۱ ستمبر اس دور کے اختتام کا مرثیہ ہے؟ اس واقعے کے بعد ایک جملہ میڈیا سے لے کر سیاسی قائدین اور کالم نگاروں تک سب ہی کی زبان اور نوک قلم پر گردش کر رہا ہے: ''اس دن کے بعد دنیا بدل گئی اور زمانہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا''۔ یہی جملہ اس سے پہلے بھی بہت سے تاریخی لمحات کے بارے میں کہا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دیوار برلن کے انہدام کے موقع پر ۱۹۷۹ء میں انقلاب ایران کے رونما ہونے پر، ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس کے غلغلے پر اور خصوصیت سے ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کے تاریخی لمحات کے بارے میں کثرت سے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انقلاب فرانس کے دو سو سال بعد چین کے دانشور اور وزیر اعظم چو این لائی نے برملا کہا تھا کہ انقلاب فرانس کے بارے میں ابھی یہ اظہار رائے قبل از وقت ہی ہے! ابھی انتظار کرو۔ اس لیے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بارے میں تو پتا نہیں ابھی کتنے انتظار کی ضرورت ہوگی۔[۳]

اس واقعے کے رونما ہونے کے بعد پوری دنیا حالت کرب میں ہے۔ انسانیت بحیثیت مجموعی انتہا پسندی کے ہاتھوں زچ ہے۔ انتہا پسندی کیا ہے؟ اوپر کی سطروں میں بالواسطہ کوشش کی گئی کہ مدعا واضح ہو سکے۔ عدم توازن کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ یہ عدم توازن زندگی کے کسی بھی میدان میں ہو، اسے انتہا پسندی کہا جائے گا۔ اگر ہم احتیاط سے جائزہ لیں تو اس وقت انسانیت کا ایک واضح حصہ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں میں انتہا پسندی کی طرف رواں دواں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۔قرآن نے درج ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

ظهر الفساد فی البر و لبحر بما کسبت ایدی ا لناس لیذیقهم بعض الذی عملو لعلهم یرجعون ۔[۴]

''خشکی اور تری میں فساد ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تا کہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آ جائیں''۔

اور اسی فساد کو دور کرنے ،انسانیت کو صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ کرنے کے لیے رب کائنات نے وحی کے ذریعے قرآن کا نزول کیا اور اپنے آخری نبی حضرت محمدؐ کو بھیجا تا کہ وہ عملاً انسانیت کو دکھائے کہ سواء السبیل کیا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: میں تو بھیجا بھی اس لیے گیا ہوں تا کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کر دوں''۔آپؐ پر ایمان لانے والوں کو ''امت وسط'' کہا گیا۔[۵] اور اس کی یہ ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ لوگوں پر گواہ ہوں اور رسولؐ ان پر گواہی دے دیں۔ یہ لفظ ''امت وسط'' اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے، جو عدل وانصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔۔۔اسی طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے، وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسولؐ اس امت کے لیے خدا ترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے ،اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے۔حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور برتاؤ، ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اسی کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عدالت اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔[۶]

لیکن عملاً ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ امت وسط بھی انتہا پسندی کی راہ پر گامزن ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو اس وقت پوری انسانیت بشمول امت مسلمہ درج سطحوں پر انتہا پسندی کا شکار ہے۔

۱۔ مذہبی

۲۔ سماجی وثقافتی

۳۔ معاشی

۴۔ سیاسی

مذہبی انتہا پسندی

جدید دور میں رائج مذہبی انتہا پسندی کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اس انتہا پسندی کے ہاتھوں دنیا میں منصفانہ اور پرامن سوسائٹی کا قیام ناممکن ہے۔ اس انتہا پسندی میں روز بروز اضافہ ہوا ہے اور اب صورت یہ بنی ہے کہ جو کوئی بھی ان کے ہاں میں ہاں نہ ملائے، اسے دہشت گرد، کافر، اور ملحد کسی بھی خانے میں فٹ کر دیتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ردعمل کا کھل کر اظہار کیا جائے۔ جہاں مذہبی عمائدین (چاہے وہ کسی بھی مذہب کے ہیں) کو چاہیے کہ وہ اپنے اقدار اور ان کے ذرائع کا جائزہ لیں کہ ان کا وحی سے زیادہ تعلق تاریخی واقعات سے ہے۔ وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کرتے ہوئے انسانی محبت اور معاشرتی حقوق کو فروغ دیں، وہاں حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ریاستوں کو اس قابل بنائیں کہ ہر شہری وہاں اپنے عقیدے کے ساتھ پرامن رہ سکے۔ بالخصوص مغرب اپنے طرز فکر میں تبدیلی لائے۔ مغرب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اللہ کی ہدایت کا نام ہے۔ بلاشبہ مسلمان وہ ہے جو اسلام قبول کرے، اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں دے اور اسے ان مقاصد کے لیے وقف کرے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کے لیے مقرر کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کے تابع ہے، اسلام مسلمانوں کے تابع نہیں۔ جن مغربی مفکرین (جیسے ولفریڈ اسمتھ) نے اسلام کی یہ تعریف کی ہے کہ اسلام وہ کچھ ہے جو کچھ مسلمان کریں، انہوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے، یہ کوئی نسلی مذہب نہیں ہے اور نہ اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے۔ فقہاء نے اپنے دور میں دارالاسلام، دارالامن اور دارالکفر کی جو اصلاحات وضع کی تھیں وہ مبنی برحق تھیں لیکن آج کے حالات میں دنیا کے تمام ہی ممالک کے اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے، ایک دوسرے کو قبول کرنے، باہمی سفارتی تعلقات اور تجارتی معاملات استوار کرنے، نقل وحرکت کے ضوابط میں اشتراک اور قانون کی بالادستی اور حقوق کی ضمانت کے باب میں خاص روایات قائم ہو جانے سے جو صورتحال پیدا ہوئی ہے، اس کو سامنے رکھ کر نئی حکمت عملی کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اسی لیے تو مشہور عالم اور داعی علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو ''دارالدعوۃ'' قرار دیا ہے۔ [۷]

مغرب اور خود امریکہ کے ہاتھوں جو کچھ اسلامی دنیا پر گزرا ہے اور گزر رہا ہے، وہ ایک حقیقت ہے اور اس کا سامنا کرنا مسلم عوام اور مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک کی حکومتیں اور وہاں کے عوام میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ ہماری تنقید کا ہدف ان ممالک کی قیادتیں اور ان کی سامراجی وظالمانہ پالیسیاں ہونی چاہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام نے گمراہ قوتوں سے برسر جنگ ہونے کے باوجود ان قوموں کے عوام الناس تک پوری دلسوزی اور ہمدردی سے دین کی دعوت پہنچائی۔

مذہبی انتہا پسندی اور تعلیمات نبوی ﷺ میں اس کا حل:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا تالیف قلب غیر مسلموں کے لیے

مکہ کے مشرکین کے مقابلہ میں آپؐ نے ہمیشہ نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ آپؐ کسی غزوہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور تیز دھوپ کی وجہ سے لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضورؐ نے بھی درخت کی شاخ پر تلوار لٹکائی اور آرام فرمانے لگے۔ ایک بدو نے غافل سمجھ کر تلوار پکڑ لی اور سونت کر بولا: محمدؐ آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ۔ اس آواز کی تاثیر تھی کہ اس نے تلوار نیام کر لی۔ اتنے میں صحابہؓ آ گئے تو آپؐ نے سارا واقعہ بیان کیا لیکن اس شخص کو کسی قسم کی ایذا نہ دی۔ [۸] اس واقعے کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ایک طرف انتہا پسندانہ رجحان ہے اور دوسری طرف انسانیت بھرا جواب۔ قتل کرنے والے کے پاس دلیل نہیں ہے، جواب دینے والے کے پاس ہے۔ قتل کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والا مسئلے کا حل ہی یہی سمجھتا ہے کہ اس منبع ہی کو بند کیا جائے، جہاں سے خوشبو آ رہی ہے، جواب میں ٹھہراؤ ہے، سنجیدہ پن ہے اور عقیدے کی پختگی ہے۔۔۔۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ قتل کی کوشش کرنے والا چاہتا تھا کہ اس ذریعے ہی کا خاتمہ کیا جائے، جو اسے شرک پر ملامت کرتا ہے۔ لیکن مقابل محمد الرسول اللہ ﷺ تھے، آپؐ نے وہی کیا جو کرنا چاہیے تھے۔ یعنی معاف کرنا، نتیجہ میں وہ مسلمان ہوا۔

مکہ میں قحط پڑا تو آپؐ مدینہ میں تھے۔ ابھی ابھی ہجرت کر کے آئے تھے اور اہل مکہ کے مظالم کے زخم تازہ تھے۔ لیکن حضورؐ نے مکہ میں آنے والے قحط کے لیے مدینہ میں بیٹھ کر دعا کی۔ آپؐ نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ مکے کے افراد اور قافلے جو تجارتی اغراض کے لیے مکہ سے باہر آمد و رفت رکھتے تھے انہیں لوٹ لیا جائے۔ حضرت مغیرہ بن شعبان مسلمان ہونے سے پہلے ایک غیر اسلامی قافلے کے ساتھ ہو گئے پھر موقع پا کر اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سب مال جمع کر کے مدینہ پہنچے۔ حضورؐ نے ان سے کہا، ''اسلام تو تمہارا قبول کرتا ہوں، لیکن اس مال سے بے زار اور لاتعلق ہوں جو تم لوٹ لائے ہو''۔ اور فرمایا '' وہ ہم میں سے نہیں جو کسی کو لوٹے''۔ اس زمانے میں مدینے میں یہودی بھی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ مشرکین عرب ناپاک لوگ ہیں اور یہودیوں کے لیے موقع پا کر ان کا مال غصب کر لینا یا ان کی امانت میں خیانت کرنا جائز ہے۔ لیکن محمدؐ نے یہ طرز عمل کبھی اختیار نہ کیا اور یہودیوں کے اس رویے کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذمت کی کہ وہ غیر یہودیوں کے مال لوٹ لینا اور فریب سے کھانا جائز سمجھتے ہیں۔ یمامہ کے حاکم جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے مکہ کی ناکہ بندی کر دی تا کہ وہاں اناج نہ پہنچ سکے۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فوراً حکم دیا کہ یہ ناکہ بندی ختم کرو اور اناج مکہ پہنچنے لگا۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا ان غیر مسلموں سے جو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر ظلم کرتے رہے، جو سلوک رہا، وہ تاریخ میں ایک بے نظیر مثال ہے۔ مدینہ میں حضورؐ نے یہودیوں سے جو معاہدہ کیا، وہ امن اور مفاہمت کے اس اصول ''خود بھی زندہ رہو دوسروں کو بھی زندہ رہنے دو'' کے نظریہ کی بہترین شکل ہے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ''میری والدہ مکہ سے مدینہ آئیں اور مجھ سے مالی امداد طلب کی۔ میں نے آستانۂ نبوتؐ میں حاضر ہو کر التماس کی، میری والدہ مکہ سے آئی ہیں اور ایسی حالت میں کہ اسلام سے بیزار ہیں۔ مجھ سے مدد مانگتی ہیں۔ کیا مجھے ان کی مدد کرنی چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں ضرور مدد کرو''۔ اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہؓ ایک یہودی سردار حئی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے یہودی رشتہ دار کے لیے ایک جائیداد وقف کی تھی۔

مدینہ میں غیر مسلم اکثر مسلمانوں کے خلاف مقدمے بارگاہ رسالت میں لاتے تھے اور اس میں غیر مسلموں کے حق میں فیصلے ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ مقدمے جلیل القدر صحابہؓ کے خلاف بھی ہوتے تھے، لیکن حضورؐ نے انصاف کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ان جلیل القدر صحابہ کے خلاف بھی فیصلہ دیا ہے۔ عبداللہ بن ابی احدرد انصاریؓ ایک یہودی کے پانچ درہم کے مقروض تھے اور قلاشی کا یہ عالم تھا کہ بدن کے جوڑے کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔ یہودی نے بارگاہ نبویؐ میں دعویٰ دائر کیا اور مہلت دینے سے انکار کیا۔ عبداللہؓ نے تین درہم میں اپنا ایک کپڑا فروخت کیا، دو درہم کسی صحابی سے قرض لے کر یہودی کا قرض ادا کیا۔ مدینے کے عربوں میں جس عورت کا بچہ نہ جیتا وہ نذر مانتی کہ اگر بچہ زندہ رہے گا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ اس طرح بہت سے عرب بچے یہودیوں کے ہاتھ پڑ گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ مدینہ کے عربوں نے مسلمان ہونے کے بعد یہ بچے واپس لینا چاہے۔ یہ معاملہ تنازعہ کی شکل اختیار کر گیا اور فیصلے کے لیے حضورؐ کے پاس پہنچا۔ حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ جہاں لڑکوں کی مرضی ہو گی انہیں وہاں رہنے دیا جائے گا، کسی پر کوئی زبردستی نہ ہوگی۔ جو لڑکے یہودی رہنا چاہتے تھے، انہیں یہودی رہنے کی اجازت دی گئی اور جو مسلمان ہونا چاہتے تھے، وہ واپس ہوئے۔[9]

ب۔ عفو و درگزر دشمنوں کے لیے

آپؐ نے فرمایا، ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے، میں اس کو قدرت انتقام کے باوجود معاف کروں، جو مجھ سے قطع کرے، میں اس کو ملاؤں۔ جو مجھے محروم رکھے، میں اس کو عطا کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں''۔ حضورؐ کی ساری زندگی اس کی مظہر رہی ہے۔ آپؐ دشمنوں کے حق میں دعا کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بارگاہ نبویؐ میں درخواست پیش کی گئی کہ یا رسول اللہؐ! مشرکوں پر بد دعا اور لعنت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''میں لعنت کرنے والے کی حیثیت سے معبوث نہیں ہوا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ قریش کے ظلم و ستم کے جواب میں آپؐ کا ردعمل یہ تھا ''الٰہی! میری قوم کو بخش دے کہ یہ لوگ بے خبر ہیں''۔

صحابہؓ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کے مکانوں پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا اور عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو ان مکانات کا قبضہ واپس دلوایا جائے گا لیکن یہ مکانات بھی فتح مکہ کے موقع پر ان سے واپس نہیں لیے گئے۔ ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا لیکن حضورؐ نے ان سے کہا: ''تم اپنے مکان کا دعویٰ چھوڑ دو تو میں جنت میں ایک محل کا وعدہ کرتا ہوں''۔ حضرت زینبؓ کے بھائی نے فوراً اپنے دعوے سے دستبرداری اختیار کر لی۔ کچھ اور لوگ بھی جائیداد کی بازیابی کے خواہاں تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضورؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان جائیدادوں کے متعلق کوئی تذکرہ پسند نہیں فرماتے، تو سب نے خاموشی اختیار کر لی۔

صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسی آدمیوں کا دستہ تاریکی میں جبل تنعیم سے اتر آیا تاکہ چھپ کر حضورؐ کو قتل کر دیں۔ مسلمان ہوشیار تھے، انہیں گرفتار کر لیا، لیکن آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا۔ مفسرینؒ کے مطابق قرآن مجید کی درج ذیل آیت اسی موقع پر اتری۔[10]

وھوالذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم۔ [11]

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیے۔

خیبر کی جس یہودیہ نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا اور یہودیوں کے اقرار کے باوجود آپؐ نے کوئی تعرض نہ کیا حالانکہ اس زہر کا اثر آپؐ کو آخری دم تک محسوس ہوتا رہا۔ آپؐ نے اپنی ذات کا خیال تو نہ کیا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابیؓ فوت ہوئے تو آپؐ نے اسے قصاص کی سزا دی۔ [12]

ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے حضور اکرمؐ کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا تھا اور جگر کے ٹکڑے کیے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ پا کر بارگاہ رسالتؐ میں نقاب پہن کر بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تاکہ پہچانی نہ جا سکے۔ آپؐ نے پہچان لیا لیکن عفو و رحم کے باعث محسوس نہ ہونے دیا۔ ہندہ نے آپؐ کے اخلاق سے متاثر ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میری نگاہ میں آپؐ کے خیمے سے زیادہ مبغوض کوئی خیمہ نہ تھا لیکن آج آپؐ کے خیمے سے محبوب تر کوئی خیمہ نظر نہیں آتا''۔ [13] حبشی سے صرف اتنا کہا گیا کہ ''ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو''۔

فتح مکہ کے موقع پر بڑے مجرموں میں ایک ہبار بن الاسود بھی تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ہجرت کے وقت اونٹ سے گرایا تھا، جس سے سخت چوٹ بھی آئی تھی اور حمل بھی ساقط ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا تھا۔ وہ ایران کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حضورؐ کے حلم وعفو کے باعث بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو دامن رحمت نے پناہ دے دی۔ [۱۴]

ج۔ رحمت وعافیت منافقین کے لیے

رئیس المنافقین کی سیاست مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس کی یہ سیاست اس قدر کامیاب تھی کہ دونوں قبیلے اوس وخزرج اسے بادشاہ بنانے پر بھی رضامند ہو گئے تھے۔ حضورؐ کے مدینہ آنے کے بعد عبداللہ بن اُبی کی تاج پوشی کے سارے خواب بکھر گئے۔ اس بناء پر وہ حضورؐ کا دشمن ہو گیا۔ لیکن مدینہ میں حضورؐ کی عام موافقت کی فضا دیکھ کر وہ اعلانیہ مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے ظاہر داری کے طور پر اسلام لے آیا۔ حضورؐ کو معلوم تھا کہ عبداللہ بن اُبی کو بادشاہت چھن جانے کا غم ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ کوشش کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور یہ غم اس کے دل سے نکل جائے۔ اس کی ریشہ دوانیوں کی داستان طویل ہے۔ غزوہ احد میں عین راستے میں سے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لوٹ جانا، حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت، غزوہ المصطلق میں انصار ومہاجرین کو لڑانے کی کوشش کرنا، مسجد ضرار کی تعمیر وغیرہ۔ جب غزوہ المصطلق میں عبداللہ بن اُبی نے مہاجرین کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تو خود اس کے بیٹے نے، جو سچے مسلمان تھے، باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑی کہ جب تک تم اقرار نہیں کرو گے کہ تم روئے زمین کے ذلیل ترین آدمی ہو، اور محمدؐ دنیا کے معزز ترین ہستی ہیں، میں تمہیں شہر میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ عبداللہ بن اُبی کو اس کے بیٹے سے حضورؐ نے چھڑایا اور فرمایا: ''جب تک یہ ہم میں موجود ہیں، ہم ان سے اچھا ہی برتاؤ کرتے رہیں گے''۔ [۱۵]

درج بالا تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے عملی اقدامات کے تناظر میں سب سے پہلا سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا واقعتاً ہم رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں؟ کیا واقعتاً انتہا پسندی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب میں اسی ردِ عمل کا اظہار کر رہے ہیں، جو قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں ۔ یہاں تو صورتحال یہ ہے کہ بقول علامہ اقبال:

اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریتِ افکار کی نعمت ہے خداداد

چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

ہے مملکتِ ہند میں ایک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

اور

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

۲۔ سماجی وثقافتی انتہا پسندی

بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ انسان کی سوچ میں تبدیلی کا آنا ایک فطری امر ہے۔ اس کرۂ ارض پر اربوں انسان رہتے ہیں۔ ہر خطہ زمین کے رہنے والوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں سماج کی بنیادیں رکھی ہیں۔ جب سے یہ تصور عام ہوا ہے کہ دنیا کی مثال ایک گلوبل ویلیج کی ہے، فاصلے سمٹ رہے ہیں اور یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ ایک سماج کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقافت سے دوسرا سماج متاثر نہ ہو۔ لیکن اپنے تصور معاشرت کو دوسروں پر ٹھونسنا انتہا پسندی ہے۔ پروفیسر جین ڈاسٹ کہتا ہے، ''سب سے اہم کام ہمارے دور کا یہ ہونا چاہیے کہ اختلاف رائے کی اہمیت کو تسلیم کر لیں۔ ممکن ہی نہیں کہ دو ایک طرح کی سوچ رکھنے والے انسان وجود میں آئیں۔ اگر ہم نے اس پر اصرار کیا تو یہ ہمیں تنزل کی طرف لے جائے گا''۔[۱۶]

موجودہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری ترقی کے فلسفے نے مسلم امہ کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس بے زاری کی گہری جڑیں مغربی ثقافت اور اس کی آزادروی میں پیوست ہیں۔ اس جعلی ثقافتی ترقی نے مسلمان معاشروں میں انتشار وافتراق کی کیفیت پیدا کر کے قومیتی، علاقائی اور طبیعاتی جھگڑوں کو ابھار دیا ہے۔ مکمل طور پر مادہ پرستانہ زندگی، طرز عمل، اسلامی طریقۂ زندگی اور تہذیبی روایات کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام معاشرے کی تشکیل اور اس کی اقتصادی وسماجی زندگی کی تنظیم کرتے ہوئے عدل وانصاف کی قدروں کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ وہ اخلاقی اور مادی حکمت عملی کے ایک حسین امتزاج کے ساتھ زندگی اور اس کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی شہادت ہے کہ مغربی افکار ونظریات اور اقدار کو جب بھی مسلمانوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی تو نتائج ہمیشہ منفی نکلے۔

تعلیمات نبوی ﷺ

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی بنیاد کو تلاش کیا جائے تو سوائے نسلی تفاخر کے جھگڑے، مادہ پرستانہ سوچ اور حرص کے اس کی اور کوئی بنیاد نہیں ملتی۔ حضورؐ کی تشریف آوری کے وقت انسانیت نسلی، لسانی اور مفاداتی گروہوں میں تقسیم تھی۔ اشراف قریش، مذہبی، قومی اور معاشی بنیادوں پر قابل عزت تھے۔ غلاموں اور کمزور لوگوں کی زندگی ان کے رحم وکرم پر تھی۔ ایسے میں پیغمبر انسانیت نے مساوات انسانی کا نعرہ بلند کیا۔ اور جھوٹے وقار اور غلط پندار کو توڑ کر رکھ دیا۔ آپؐ کا درس قرآن کی روشنی میں تھا: ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ (تم میں سے سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو)[۱۷] آپؐ نے اپنے متعلق بڑی صاف گوئی سے فرمایا، ''میری تعریف میں اس طرح کا غلو نہ کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس طرح کا غلو حضرت عیسیٰ کی تعریف میں نصاریٰ نے کیا کیونکہ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں''۔[۱۸]

بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کو معاشرے میں مساوی درجہ پر رکھنا اور اپنے ساتھ ملانا ایک ایسا انقلابی قدم تھا، جس کی پیروی کے لیے آج بھی انسان محتاج ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو تا کہ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کر سکے اور نہ کسی پر ظلم کر سکے''۔[۱۹] آپؐ نے ان امور کا وعظ نہیں فرمایا بلکہ اپنے قول و فعل سے اس کا نمونہ پیش کیا۔

حضورؐ کی پوری زندگی اعتدال و توازن کا بے نظیر نمونہ ہے۔ ایک طرف آپؐ اتنے بڑے فکری و معاشرتی انقلاب کے داعی و تاریخ کا رخ بدلنے والے تھے، دوسری جانب گھریلو زندگی کو خوشگوار رکھنے والے، اس سے لطف اندوز ہونے والے اور شب بیداری کرنے والے تھے۔ نعیم صدیقی کے بقول، ''آپؐ عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے، جماعت اور معاشرہ سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ علیحدگی پسندی، کبریائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت جس نظامِ اخوت کی آپؐ نے تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم دگر مربوط رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں۔[۲۰]

ویسے تو یہ ممکن نہیں کہ اس مختصر سے مقالے میں آپ کی سماجی زندگی کا احاطہ ہو، لیکن خلاصہ کے طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ گھر سے نکلتے تو سلام میں پہل کرتے اور فرماتے کہ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے محفوظ رہتا ہے۔[۲۱] بچوں کے ساتھ گفتگو فرماتے اور انہیں سلام کہتے، بچوں سے پیار بھی کرتے، بازار کو ناپسندیدہ جگہ سمجھتے۔[۲۲] لیکن وہاں جاتے تو ہر ایک کو سلام کہتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کا اہتمام کرتے اور ان کی صحت کی دعا کے ساتھ ان کی ہمت بڑھاتے۔ آپؐ نے فرمایا، ''جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو، اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔[۲۳]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی انتہا پسندی

اس وقت پوری دنیا چند بڑے ممالک کے معاشی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ پروفیسر شین (Schene) کہتے ہیں کہ ''کمیونزم اور سرمایادارانہ نظام منڈی میں بکنے والا ایک ہی مال ہے۔ فرق صرف ساہوکار کا ہے۔ ایک اپنا مال تھوک کے بھاؤ فروخت کرتا ہے، دوسرا پرچون کے بھاؤ''۔ معاشیات میں اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت، دونوں غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کر سکتے، جو ہماری دنیا کا سب سے بڑا اسکینڈل ہے۔ افراط زر اور کساد بازاری کا چکر جو ہر ملک میں بہت سے لوگوں کے لیے تباہی لاتا ہے، ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی تجارت اور مالیات کا نظام غریب ممالک کے غریبوں کو مستقل غربت کا شکار بنا دیتا ہے۔ اب ماہرین معاشیات تسلیم کرتے ہیں کہ معاشی نظام کا انحصار اس پر ہے کہ انسانی ضروریات کے بارے میں، مسرت کی شرائط کے بارے میں فرد، اجتماع کے تعلقات کے بارے میں افراد کے عقائد کیا ہیں۔ بہتری کی امید اسی صورت میں کی جا سکتی ہے کہ معاشی رویوں کو اخلاقی حس کنٹرول کرے۔ [۲۴]

پاکستان کی صورتحال کیا ہے؟'' آبادی کا ۱/۴ یعنی ۳ کروڑ غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے ساتھ آمدنی کی تقسیم کی کیفیت بھی وقت گزرنے کے ساتھ خراب تر ہوگئی ہے۔ ان ۲۰ برسوں میں قومی آمدنی میں کم آمدنی والے ۲۰% آبادی کا حصہ ۸.۴% سے کم ہو کر ۵.۷% ہو گیا ہے۔ دوسری طرف اسی عرصہ میں زیادہ آمدنی والی ۲۰% آبادی کا حصہ ۴۱.۵% سے بڑھ کر ۴۵.۵% ہو گیا ہے''۔ [۲۵] معیشت کی کمزوری کی اصل وجہ غربت میں اضافہ اور دولت کی تقسیم میں ناہمواری ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت صورتحال یہ تھی کہ جاہلانہ طبقاتی تقسیم نے معاشرہ میں لوٹ کھسوٹ اور بدنظمی پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تھی۔ سرمایہ دار طبقہ نے سود جیسی لعنت مسلط کر رکھی تھی۔ جس سے غریب کا خون نچڑ رہا تھا۔ معاشرتی زندگی شراب نے جوئے کے ساتھ مل کر معاشی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ آپؐ نے سب سے پہلے سود کو ختم کیا اور سب سے پہلے اپنے چچا کے سود کو باطل قرار دیا۔ [۲۶] آئندہ کے لیے سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا باغی قرار دیا۔ بیع وشریٰ کے تمام باطل طریقے ختم کیے۔ [۲۷] جوئے اور شراب کو بند کیا اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی فضول خرچی کو شیطانی فعل قرار دیا۔ اقتصاد اور اعتدال کو معاشی زندگی کی روح قرار دیا۔ تمام غیر اخلاقی اور ظالمانہ طریقے بند کیے تا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ بھی ظلم کا شکار نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا ''حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے''۔ [۲۸] ''جس بدن نے مال حرام سے پرورش کی ہو، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔ [۲۹]

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیٹیاں جو زندہ درگور جاتی تھیں۔ (وجہ صرف غیرت نہیں تھی بلکہ وہ معاشی بوجھ بھی سمجھی جاتی تھیں) کو پالنے، اچھی تربیت دینے میں مسابقت ہونے لگی۔ صحابہؓ میں مالی مراتب ضرور تھے لیکن ان کے مراتب اللہ کی رضا میں استعمال ہونے لگے۔ آپؐ نے لوگوں کا مال نہیں چھینا، بلکہ ان کا تزکیہ کیا، جس کے نتیجے میں غزوہ تبوک میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مالی ایثار کی مثالیں قائم ہوئیں۔ وراثت کے اسلامی نظام کے تحت دولت کا ارتکاز ختم ہوا۔ معاشرہ میں حسد کے بجائے رشک اور مثبت مسابقت کی فضا پیدا ہوئی۔

سیاسی انتہاپسندی

پی۔ جے اسٹیورٹ لکھتا ہے،''اس کرہ ارضی پر بسنے والوں کے مستقبل کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے باہر کی طاقتیں ان کے رویوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ یہ سب کے مفاد میں ہے کہ مسلمانوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناانصافی اور ظلم سے اتنا نہ دھکیلا جائے کہ وہ اپنے دفاع میں پرتشدد ہو جائیں۔ اخلاقی حوالوں سے قطع نظر غیر مسلموں کو محسوس کرنا چاہیے کہ اسلام دنیا کا اکثریتی مذہب بننے والا ہے۔[۳۰]

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سیاست میں ایک پرمسرت دنیا کی تعمیر کیلیے طریقوں اور اداروں پر اعتماد ختم ہو رہا ہے۔ اگر ایک بہتر دنیا تعمیر ہونی ہے تو یہ کسی مثالی نظام کے ذریعے نہیں بلکہ بڑی تعداد میں انسانوں کی اخلاقی اصلاح سے ہی ممکن ہے۔ اس وقت جہاں مغرب کی پوری سیاست انا و لاغیری کے گرد گھوم رہی ہے اور ہر مسئلے کا حل طاقت و دھونس جمانے سے نکالا جا رہا ہے۔ اس سے مسئلے پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ افغانستان میں اسامہ کی پناہ میں اور عراق میں صدام کی آڑ میں اس صدی کا بدترین ظلم کیا گیا۔ اس کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں وہ 'بدامنی' لاقانونیت اور انتہا پسندی کے سوا کچھ نہیں۔

امت مسلمہ میں اگر انتہا پسندی اور تشدد کی سیاست در آئی ہے تو یہ اس کے مشن اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اور اس کے اصل کردار پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ انفرادی زندگی یا اجتماعی، اسلام تشدد اور اکراہ کا مخالف ہے اور محبت، بھائی چارے، عزّواداری اور تعاون کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ جہاد کا مقصد انصاف کا قیام اور تمام انسانوں کے لیے آزادی، عزت اور عدل کی ضمانت ہے۔ جہاد اپنی تمام صورتوں میں، یعنی نفس کے ساتھ جہاد، زبان اور قلم سے جہاد، مال و جان سے جہاد واضح و اخلاقی حدود اور مقاصد کا پابند ہے۔ ہر سطح پر اس کے تصور، تعلیم اور تبلیغ کی ضرورت ہے تاکہ جہاد کا صحیح فہم و ادراک ہو اور اس کی نعمتوں سے مسلم اور غیر مسلم سب فیض یاب ہو سکیں۔ جہاد کے اس تصور کا فہم اور احترام ہر دور میں ضروری تھا مگر آج جب جہاد کو بدنام کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور جہادی کلچر کو تشدد اور دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے، اس تفہیم اور جہاد کے آداب کے مکمل احترام کی ضرورت ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید　　وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہور
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری　　جہاں میں عام ہے قلب ونظر کی رنجور

خلاصہ کلام

یہ بات طے ہے کہ انبیاء کرام بشمول حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان جو فطرت سلیم پر پیدا کیا گیا ہے، اس کو خود ساختہ انتہا پسندی سے بچایا جائے ۔ غار حرا میں جب وحی الٰہی کا پہلا نور چمکا اور جبریل امین اللہ کے آخری نبی ﷺ کے پاس اقراء کا حکم لے کر آئے، اس وقت سے لے کر ۱۳ برس تک محمد عربی ﷺ مکہ اور طائف کی وادیوں میں آفتاب جہاں تاب کی طرح گردش کرتے رہے اور پتھروں کے جواب میں ہدایت وسعادت کے پھول بھینکتے رہے ۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کیا تھیں؟ اگر یکسوئی سے اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے تو جواب مل سکتا ہے ۔

ماوردی اور ابونعیم نے معرفتہ الصحابہ میں عبدالملک بن عمیر سے روایت کی ہے ۔ انہوں نے کہا: اکثم بن صیفی کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپ ﷺ کے پاس جانا چاہا لیکن پہلے ان کی قوم کے دو افراد جانے کو تیار ہوئے ۔ وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا: ''ہم اکثم کے قاصد ہیں، وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو اور کیا لائے ہو؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ''۔ پھر آپ ﷺ نے درج ذیل آیت تلاوت کی:

ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی ۔ ۳۱

(اللہ تمہیں عدل، احسان، اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا اور فحش، منکرات اور سرکشی سے روکتا ہے ۔)

ان لوگوں نے پھر اپنا سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سن کر یاد کرلی اور پھر واپس جا کر اکثم کو تمام باتیں بتائیں۔ اس نے آیت سن کر کہا: ''میں دیکھتا ہوں کہ وہ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور برے اخلاق سے منع کرتے ہیں''۔ پھر اکثم نے اپنی قوم سے کہا ''اس معاملے میں تمہیں دوسروں سے پیچھے نہ رہنا چاہیے''۔ ۳۲

مسند احمد، طبرانی اور بخاری میں ادب المفرد میں ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی آیت عثمان بن مطعون کے دل میں استقرار ایمان کا سبب بنی تھی۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں، بیہقی نے شعب الایمان میں اور حاکم نے مستدرک میں ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خیر وشر کے لیے جامع ترین آیت ہے۔ بیہقی نے حسن بصری سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اس آیت کی جامعیت ہی کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو خطبۂ جمعہ میں شامل فرمایا۔ ابن جریر نے قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے خلق حسن کا حکم دیا ہے، جس کو اہل جاہلیت بھی بنظر استحسان دیکھتے تھے اور ان کے یہاں اس پر عمل ہوتا تھا۔ اور کوئی برا اخلاق ایسا نہیں ہے، جس کو وہ عیب سمجھتے ہوں اور اس سے اللہ نے منع نہ کیا ہو''۔۔۔۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے یہ آیت سنی تو کہا: ''محمد ﷺ کا خدا مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے''۔

یہی رسول ﷺ کی تعلیمات تھیں (عدل، احسان، صلہ رحمی) انتہا پسندی (فحش، منکرات، سرکشی) کے خلاف۔۔۔ امت اپنے ہی قائد کی تعلیمات بھول کر بھٹک رہی ہے۔ حالانکہ مسلم کی تعریف کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے　　یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی　　ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا　　خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر پیدا　　تری نسبت براہیمی ہے، معمار جہاں تو ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ ہمیں عدل، احسان اور صلہ رحمی کا راستہ اختیار کرنے اور فحش، منکرات اور سرکشی کا راستہ چھوڑنے کی ہمت اور عزم عطا فرمائے۔ (آمین)

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم، سورۃ المائدہ، آیت ۱۲۔

۲۔ Wolfgand Sachs, ed. *The Development Dictionary: A guide to Knowledge as Power*, (London: Reedbox Ltd.,1992),p.1.

۳۔ پروفیسر خورشید احمد ''اشارات'' ترجمان القران ماہانہ (ادارہ ترجمان القرآن، ۵۔اے زیلدار پارک اچھرہ، لاہور ،جنوری ۲۰۰۲ء)

۴۔ القرآن، ۳۰:۴۱۔

۵۔ القرآن ۲:۱۴۳۔

۶۔ تفہیم القرآن، جلد اول، ص ص ۱۱۹۔۱۲۰۔

۷۔ ترجمان القرآن، اگست ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۔

۸۔ بخاری، ''کتاب المغازی'' باب غزوۃ الرقاع، ۵/۵۳۔۵۴۔

۹۔ سیارہ ڈائجسٹ، ''رسول نمبر'' جلد ۲۰۔شمارہ ۵۔ نومبر ۱۹۷۳ء، ص ص ۲۹۴۔۲۹۵۔

۱۰۔ جامع ترمذی، ''کتاب التفسیر'' تفسیر الفتح، ۵/۳۸۶۔

۱۱۔ القرآن، ۴۸:۲۴۔

۱۲۔ بخاری، ''کتاب المغازی'' باب الشاۃ التی سمت للنبی، ۵/۸۴۔

۱۳۔ ڈاکٹر خالد علوی، ''انسان کامل'' (لاہور، الفیصل اردو بازار، جنوری ۲۰۰۱ء) ص، ۶۷۔

۱۴۔ ایضاً ص ۲۶۸۔

۱۵۔ سیارہ ڈائجسٹ، ''رسول نمبر''، ص ص ۳۰۴۔۳۰۴۔

۱۶۔ ہیومن رائٹس کمیشن، ۵۹ واں سیشن، تحریری یاداشت برائے '' اکنامک اینڈ سوشل کونسل، اقوام متحدہ'' مورخہ ۰۳۔۳۔۱۵، پروفیسر جن ڈاسٹ پیرس یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور فزیالوجی و میڈیسن میں نوبل انعام یافتہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۔ القرآن، ۴۹: ۱۳۔

۱۸۔ دارمی: کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ، ۲/۳۲۰۔

۱۹۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب براہ من الکبر، ۲/۱۳۹۹۔

۲۰۔ نعیم صدیقی، ''محسن انسانیت''، ص ۱۱۰۔

۲۱۔ ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی التسلیم علی الصبیان، ۵/۵۷۔

۲۲۔ مسلم: کتاب المساجد، باب فضل الجلوس۔۔۔۲/۱۳۲۔۱۳۳۔

۲۳۔ بخاری: کتاب الادب، باب من بسط فی الرزق۔۔۔۷/۲۔

۲۴۔ P.J Stewart, *Unfolding Islam*(Reeding, Garnet Publishing, 1994) کے آخری باب کا خلاصہ۔

۲۵۔ Dr. Mohammad Yaqub, *Factors Affecting Poverty in Pakistan*,(An IPS Study, 1998), p. 87.

۲۶۔ سیرت ابن ہشام، ص ۲۵۱۔

۲۷۔ بخاری، کتاب البیوع، ۳/۴۲۔۴۳۔

۲۸۔ مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، ۲/۷۸۔

۲۹۔ ایضاً، ۲/۷۹۔

۳۰۔ P.J Stewart, *Unfolding Islam*(Reeding, Garnet Publishing, 1994)

۳۱۔ القرآن، ۱۶: ۱۶۔

۳۲۔ تفسیر روح المعانی، سورۃ النحل آیت ۱۶۔

© rasailojaraid.com